OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com

معاشی بحرانوں میں نظریۃ الجوائح کا کردار: اسلامی فقہی اصولوں کی روشنی میں

The Role of the Doctrine of Jawā'iḥ in Economic Crises: In the Light of Islamic Jurisprudential Principles

Dr. Muhammad Irfan
Assistant Professor / Incharge Department of Islamiyat, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Islamabad.
Email: dr.muhammadirfan@fuuast.edu.pk

Dr. Abdul Majid
Assistant Professor / Incharge Department of World Religion, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Karachi.
Email: dr.amajid1970@gmail.com

Shamshir Khan
Teacher Islamiyat, Department of Primary and Secondary Education, KPK.
Email: shamshirkhan604@gmail.com

Received on: 08-01-2025 Accepted on: 10-02-2025

Abstract

Islamic Shariah has provided various principles and regulations to address the impacts of emergencies on financial transactions and to minimize potential losses. If transactions are carried out in accordance with these principles, neither the seller incurs a loss nor does the buyer suffer. The classical jurists generally limited the rulings related to such emergency situations to the sale and purchase of fruits and vegetables. However, in the present era, various types of contracts that emerge under modern circumstances can also be conducted in light of the concessions granted for such emergencies. For instance, in the modern banking system, contracts like Salam, Istisna', and Ijarah, as well as other contract-related financial matters faced by financial institutions, can be resolved within the framework of the exemptions provided under emergency conditions.

Keywords: Islamic Shariah, Salam, Istisna, Ijarah, Islamic Jurisprudential Principles

اسلام اپنے پیروکاروں کو جو معاشی اصول وضوابط فراہم کرتا ہے اس کی روشنی میں قیامت تک آنے والے آخری انسان کے لیے بھی ہر قسم کی مشکل سے نکلنے کے لیے راستہ موجود ہے، چاہے وہ معاملات معاشرے سے تعلق رکھتے ہوں یا معاشیات سے، نجی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی امور سے متعلق۔ شریعت نے تمام اصول وضوابط کھل کر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ بعض اوقات انسان کو غیر متوقع حالات درپیش ہوتے ہیں جو کہ عام حالات سے مختلف ہوتے ہیں، انہیں جوائح کہا جاتا ہے جنہیں اردو میں ہم ہنگامی حالات کہہ سکتے ہیں۔ ان

ہنگامی حالات کی روشنی میں ہونے والے عقود کی کی شرعی حیثیت اور احکامات کو فقہاء نے کتبِ فقہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس مقالے میں انہی امور سے متعلق بحث کی جائے گی کہ ہنگامی صورت حال میں اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے شریعت نے کیا رہنمائی فراہم کی ہے۔

جوائح کا لغوی معنی ہے جڑ سے اکھاڑنا۔ابن فارس جوائح کا لغوی معنی اس طریقے سے بیان کرتے ہیں:

وهو الاستئصال، يقال جاح الشئ يجوحه استأصله ومنه اشتقاق الجائحة۔ [1]

جوائح کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا۔

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ جوح اور جائحہ سے مراد بڑا فتنہ اور ایسا فتنہ جو مال کو ختم کر دیتا ہے۔ [2]

علامہ قدامہ المغنی میں جوائح کی تعریف اس طرح ذکر کرتے ہیں:

ان الجائحة كل آفة لا صنع للآدمي فيها كالريح والبرد والجراد والعطش لما روى الساجي باسناده عن جابر ان النبي ﷺ قضى في الجائحة تكون في البرد والجراد وفي الحبق والسيل وفي الريح۔ [3]

جائحہ سے مراد ہر وہ آفت ہے جس میں کسی بھی شخص کے عمل کا دخل نہ ہو جیسے کہ ہوا سے آنے والی آفت، سردی، بھوک، پیاس اور ٹڈی دل کی وجہ سے آنے والی آفت۔ جیسے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہوا، طوفان، سردی اور ٹڈی دل سے متعلق غیر متوقع حالات کے بارے میں فیصلہ کیا۔

علامہ ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں:

الآفات السماوية التي لا يمكن معها تضمين احد، مثل الريح والبرد والحر والمطر ۔ [4]

ایسی آفات جن کا کسی کو الزام نہیں دیا جا سکتا جیسے بارش، گرمی، سردی اور طوفان۔

متقدمین علماء کی جانب سے نظریۂ جوائح کی جو تعریفات پیش کی گئی ہیں، ان کا دائرہ کار زیادہ تر کھیتی باڑی کے نقصانات اور آسمانی آفات تک محدود رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آفات یا غیر متوقع حالات جن کا سبب کسی انسانی عمل سے پیدا ہو، آیا وہ بھی "جوائح" کے دائرے میں شامل سمجھے جائیں گے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کی تعریف سب سے جامع اور قابل فہم نظر آتی ہے، جو اس نظریے کو وسعت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر وہ غیر متوقع اور اضطراری حالت جو انسانی بس اور قدرت سے باہر ہو، وہ "جوائح" میں داخل ہے۔یعنی ایسے تمام ہنگامی حالات جن کی روک تھام یا پیش بندی کسی انسان کے اختیار میں نہ ہو، وہ اس فقہی قاعدے کے تحت آتے ہیں۔

متقدمین فقہاء نے وضع الجوائح سے متعلق جو بھی شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے زیادہ تر سبزیوں اور پھلوں سے متعلق ہیں۔

وضع جوائح سے متعلق فقہاء نے جو شرائط ذکر کی ہیں وہ چار طرح کی ہیں۔ ان میں سے تین پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے جبکہ ایک شرط میں اختلاف ہے۔

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ فروخت صرف پھلوں تک محدود ہو، یعنی بیچنے والے نے صرف پھلوں کا سودا کیا ہو، نہ کہ درختوں کا اور اگر

درختوں کی بیع بھی کی گئی ہو تو وہ علیحدہ معاہدے کے تحت ہو۔ ایسی صورت میں خریدار کو نقصان کی صورت میں بیچنے والے کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ جیسا کہ علامہ خرشی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وان افردت الثمار بالشراء دون اصلها او اشتریت وحدها بعد بدو صلاحها۔ ای اشتری اصلها۔ [5]

اور اگر صرف پھل کی خرید و فروخت کی جائے درخت کو نہ خریدا جائے یا پھر پھل کے پکنے کے بعد اصل یعنی درخت کو بھی خریدا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خریدار نے پھل خریدنے کے بعد اُنہیں درخت پر ہی پکا ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہو، اور پھل پکنے کے بعد بھی اُس نے اُنہیں توڑا نہ ہو۔ اگر اس دوران کوئی آفتِ سماویہ آجائے اور پھل ضائع ہو جائیں تو اس نقصان کا ضامن فروخت کنندہ (بائع) ہوگا۔ تاہم، اگر پھل پکنے کے بعد وہ خریدار کی ذمہ داری میں آکر تلف ہوئے ہوں تو اس صورت میں نقصان کی ذمہ داری خریدار پر عائد ہوگی، اور یہاں "نظریۂ جوائح" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فقہاء اس شرط کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک خریدار نے مبیع (فروخت شدہ مال) پر عملی قبضہ حاصل نہیں کیا، اُس وقت تک ضمان (ذمہ داری) اُس کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ [6]

تیسری شرط یہ ہے کہ نظریۂ جوائح کا اطلاق صرف اُن عقود پر ہوگا جن میں مالی معاوضہ شامل ہو۔ وہ معاملات جن میں کسی قسم کا عوض یا بدل موجود نہیں، وہاں اس قاعدے کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں، جوائح صرف معاوضے والے معاہدات میں معتبر سمجھے جاتے ہیں، جب کہ غیر معاوضاتی عقود اس دائرے سے خارج تصور کیے جاتے ہیں۔ [7]

چوتھی شرط یہ ہے کہ وضع الجوائح کا اطلاق اس وقت ہی ہوگا جب نقصان مال کے کسی متعین اور قابل لحاظ حصے تک پہنچے۔ اگر ہلاکت اس مقررہ حد سے کم ہو تو اس صورت میں "وضع الجوائح" کا قاعدہ لاگو نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس کی تعریف پر یہ صورت صادق آئے گی۔ جیسا کہ المدونۃ الکبریٰ میں امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جوائح کے اعتبار کے لیے نقصان کی مقدار کا ایک خاص معیار ہونا ضروری ہے، ورنہ یہ استثنا یا رعایت قابلِ اطلاق نہیں ہوگی۔ [8]

وضع الجوائح کے حکم کا اعتبار کن عقود میں کیا جائے اور کن عقود میں نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کرام نے پھلوں کی بیع، زمین کے اجارہ، پھلوں میں عقد سلم اسی طرح نکاح میں مہر کے احکام سب میں جوائح کا اعتبار کیا ہے اور اس کو کسی ایک عقد کے ساتھ خاص نہیں رکھا۔ وہ عقود جن میں معاوضہ ادا کیا جاتا ہے ان میں آفت کے واقع ہونے کی مختلف صورتیں بن سکتی ہیں۔

۱۔ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے جائحہ کا وقوع ہو جائے۔

۲۔ مبیع پر قبضہ ہونے کے بعد جائحہ کا وقوع ہو جائے۔

۳۔ جائحہ کا وقوع مدتِ خیار میں ہو۔

مبیع کے مکمل ہونے کے لیے قبضہ چونکہ شرط ہے اور جب تک خریدنے والا بیچی جانے والی چیز پر قبضہ نہیں کر لیتا اس وقت تک بیچنے والا پورے نقصان کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ جیسا کہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

فان هلك كله قبل القبض فآفة سماوية انفسخ البيع، لانه لو بقي اوجب مطالبة المشتري بالثمن، واذا طالبه بالثمن فهو يطالبه بتسليم المبيع وانه عاجز عن التسليم فتمتنع المطالبة اصلا فلم يكن في بقاء البيع فائدة فينفسخ واذا انفسخ البيع سقط الثمن عن المشتري۔[9]

اور اگر عقد مکمل ہو گیا اور خریدنے والا اپنی خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کر چکا ہے اور وہ مبیع کسی آسمانی آفت کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق خریدنے والا نقصان کا ذمہ دار ہو گا اور اس صورت میں مشتری پر بائع کو پوری قیمت ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ جب مبیع پر قبضہ مکمل ہو گیا تو بیع بھی مکمل ہو گئی اور مشتری کی ضمان میں منتقل ہو گئی۔ جیسے عثمانی خلفاء کے دور میں مرتب کی گئی فقہی احکام کی کتاب مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں مذکور ہے:

اذا هلك المبيع بعد القبض هلك من مال المشتري ولا شئ على البائع۔[10]

اگر قبضہ کرنے کے بعد خریدی ہوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس کا ز رضانت خریدنے والا خود برداشت کرے گا۔

اگر مدتِ خیار کے دوران مبیع کسی آفت کی وجہ سے تلف ہو جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک یہ عقد خود بخود فاسد قرار پائے گا، اور خریدار پر کسی قسم کی ضمان عائد نہیں ہو گی، کیونکہ ایسی حالت میں مبیع کو بائع کی ملکیت میں ہی تلف شدہ تصور کیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ دونوں فریقین کے پاس خیار کا حق موجود ہو، یعنی مبیع اب بھی بائع کی ملکیت میں ہو اور ثمن خریدار کی ملکیت میں، تو اس حالت میں اگر مبیع بائع کے قبضے میں یا ثمن خریدار کے قبضے میں تلف ہو جائے، تو ہر فریق اُس مال کا ضامن ہو گا جو اس کے تصرف یا ملکیت میں تھا۔ یعنی بائع مبیع کی قیمت کا اور خریدار ثمن کا ضامن قرار پائے گا۔[11]

فقہاء کرام کی جانب سے وضع کیے گئے بہت سے اصول وضوابط سے نظریہ جوائح کے جواز کی صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے فقہ کا عمومی قاعدہ ہے کہ کسی بھی مسلمان سے ضرر کو دور کیا جائے گا اور اگر ضرر موجود ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ جیسا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاضرر ولاضرار

اس کا یہی مطب ہے کہ نہ ہی کسی کو ابتداء میں ضرر پہنچانے کا حق ہے اور بدلے میں بھی ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔ اگر اس قاعدے کا بالعموم جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ تمام اقسام کے ضرر ابتداءً بھی حرام ہیں اور بدلے میں پہنچائے جائیں تب بھی حرام ہیں۔[12]

یہی وجہ ہے کہ ضرر کے ازالے کے لیے شریعت نے کہیں حق شفعہ کا حق دیا تو کہیں میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے ضرر کے ازالے کے لیے فسخ نکاح کو جائز قرار دیا۔

زر (کرنسی) کی قیمت میں ہونے والی تبدیلی اور اتار چڑھاؤ کو بھی فقہاء نے نظریۂ جوائح کے تحت موضوعِ بحث بنایا ہے، اور بالخصوص فقہاءِ احناف نے اس پہلو پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے ادھار پر معاملہ کرتا ہے اور بعد ازاں کسی غیر

معمولی یا ہنگامی صورتحال کے باعث زر کی قیمت میں نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسی صورت کو ہنگامی حالت تصور کرتے ہوئے نقصان کی تلافی کی جائے گی یا نہیں؟

اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ جاننا ناگزیر ہے کہ زر کو لاحق ہونے والی قیمت کی تبدیلی دراصل دو بنیادی اقسام پر مشتمل ہوتی ہے:

کساد بازاری :(Deflation) جب مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتیں گر جائیں اور زر کی قدر بڑھ جائے۔

افراطِ زر :(Inflation) جب کرنسی کی قدر کم ہو جائے اور اشیاء کی قیمتیں غیر معمولی طور پر بڑھ جائیں۔

ان دونوں صورتوں میں یہ غور طلب ہے کہ زر کی قیمت میں تبدیلی کس حد تک فریقین کے مالی توازن پر اثر انداز ہوتی ہے، اور آیا ان حالات کو "جوائح" کے فقہی دائرے میں شامل کر کے کوئی رعایت یا تعدیل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی کساد زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

والکساد ان تترك المعاملة بها في جميع البلاد۔ [13]

اور کساد بازاری یہ ہے کہ اس زر کے ساتھ تمام علاقوں میں معاملہ متروک کر دیا جائے۔

کساد کے انقطاع کے حوالے سے حکم فقہائے احناف میں خاص اہمیت رکھتا ہے، جہاں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ کساد کی صورت میں عقد باطل تصور کیا جائے گا۔ اس حالت میں خریدار پر لازم آتا ہے کہ وہ مبیع یا اس کے برابر مال واپس کرے، کیونکہ عرف کے مطابق بیع کا ثمن (قیمت) رقم (فلوس) ہوتا ہے، اور جب رقم اپنی ثمنیت کا معیار کھو بیٹھے تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر بیع کا وجود نا ممکن ہے۔ [14]

جب کہ جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ کساد عقد کے باطل ہونے کا سبب نہیں بنے گا بلکہ یہ بائع کا اختیار ہے چاہے تو فسخ کرے چاہے تو قیمت وصول کرے اور عقد کے وقت کی قیمت کا اعتبار کر کے اس قیمت کو وصول کر لیا جائے گا۔ [15]

جب کہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کساد بازاری کی صورت میں مشتری کے ذمے وہی سکہ لوٹانا واجب ہے جو عقد کے وقت رائج تھا۔ [16]

جب کہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے نزدیک جس دن کساد بازاری واقع ہوا اسی وقت کی قیمت معتبر ہوگی۔ کیونکہ یہ وہی وقت ہے جب مشتری ثمن کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوا۔ [17]

زر کی قدر میں کمی و بیشی آج کے مالی معاملات میں ایک عام اور روز مرہ کا مسئلہ بن چکی ہے۔ جب کوئی شخص قرض لیتا ہے تو اس وقت کرنسی کی قیمت ایک سطح پر ہوتی ہے، لیکن جب وہ قرض ادا کرنے کے مرحلے پر آتا ہے تو اس کی قدر میں تبدیلی آجاتی ہے۔ مثلاً، اگر کسی نے کسی سے ایک ہزار روپے قرض لیا ہو اور اس وقت اس رقم سے دس کلو آٹا خریدا جا سکتا تھا، لیکن ادائیگی کے وقت کرنسی کی قدر گر جانے کی وجہ سے صرف پانچ کلو آٹا خریدا جا سکتا ہو، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا قرض لینے والے کو صرف وہی ایک ہزار روپے واپس کرنا چاہیے، یا اسے آٹے کے دس کلو کی قیمت یعنی دو ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے؟ جماعتِ فقہاء کے نزدیک، چاہے کرنسی کی قیمت میں اضافہ ہو یا کمی، قرض کی اصل رقم ہی واجب الادا ہوگی۔ زر کی قوتِ خرید میں اتار چڑھاؤ کا ادائیگی کی مقدار پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور فریقین کو وہی مقدار واپس کرنی ہوتی

ہے جو شروع میں مقرر ہوئی تھی۔ جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ان یبیع برطل فلوسا فھذا لیس لہ الا رطل زاد سعرہ ام نقص۔[18]

اگر ایک رطل کے بدلے میں سکے بیچے تو اس کو ایک رطل ہی ملے گا چاہے قیمت بڑھے یا کم ہو۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

واما رخص السعر فلا یمنع ردھا سواء کان کثیرا مثل ان کانت عشرۃ بدانق فصارت عشرین بدانق او قلیلا لانہ لم یحدث فیہ اشئ انما تغیر السعر فاشبہ الحنطۃ اذا رخصت او غلت۔[19]

اگر قیمت کم ہو جائے تو یہ مانع نہیں ہے چاہے یہ زیادہ کمی ہو یا کم۔ کیونکہ یہ کوئی الگ بات نہیں ہے صرف قیمت ہی بدلی ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے گندم کی قیمت کا بڑھنا یا کم ہونا۔

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ فلوس کی قیمت میں ہونے والا اوتار یا چڑھاؤ مدیون پر وہی فلوس واجب کرے گا جو اس کا پہلے تھا، اس کی حالیہ قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر اجارہ کی مدت کے دوران کوئی ہنگامی حالت یا جوائح پیش آجائے، جیسے کہ دو ملکوں کے درمیان تنازعہ کی وجہ سے جنگ کا آغاز ہو جائے یا کسی وباء کی وجہ سے سخت پابندیاں نافذ ہوں، مثلاً کرونا وائرس کے دوران نقل و حمل پر عائد کی گئی رکاوٹیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس صورت میں عقد کو اپنی اصل حالت میں برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟ جمہور فقہاء کا متفقہ موقف یہ ہے کہ ایسے حالات میں مستاجر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اجارہ کا عقد فسخ کر سکے۔ اس مسئلے پر علامہ ابن تیمیہ نے فقہی اجماع کی تصدیق کی ہے۔[20] اور اس مدت کے دوران مستأجر اس چیز سے نفع حاصل نہیں کر سکا ہے تو اس میں اجرت بھی لازم نہیں ہو گی۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

وفی الخلاصۃ استأجر حماما فی قریۃ فوقع الجلاء فی القریۃ ونفر الناس سقطت الاجرۃ او نفر بعض الناس لا تسقط۔[21]

مستاجر نے حمام کرایے پر لیا اور سب لوگ گاؤں چھوڑ گئے تو اجرت کی ادائیگی لازم نہیں اور اگر کچھ لوگ رہ اور کچھ چھوڑ گئے تو اجرت ادا کرنی پڑے گی۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

القسم الخامس ان یحدث خوف عام یمنع من سکن ذلك المکان الذی فیہ العین المستأجرۃ او تحصر البلد فیمتنع االخروج الی الارض المستأجرۃ ونحو ذلك۔[22]

اگر کسی جگہ پر خوف کی فضا طاری ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ اس جگہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے یا کسی شہر کا محاسبہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہاں جانا ناممکن ہو جائے تو مستأجر کو عقد فسخ کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔

اس تمام عبارت سے یہ واضح طور پر مترشح ہو گئی کہ اگر کسی بھی قسم کے ہنگامی حالات پیش آئیں اور اس عرصے میں مستأجر نے جس چیز کو

کرایے پر لیا ہے وہ اس سے نفع اور آمدن حاصل نہ کر سکے تو الجوائح کے تحت مستأجر کو اس بات کا حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ اپنے اجارہ کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ کر دے تو اس کے ذمے کسی بھی قسم کی کوئی اجرت واجب نہیں ہو گی۔

عصر حاضر میں مالیاتی ادارے، خاص طور پر اسلامی بینک، سلم اور استصناع کے جدید اسلوب کو تمویل کے مؤثر طریقوں کے طور پر اپنا چکے ہیں اور انہیں اپنے بینکنگ نظام میں شرعی اصولوں کے عین مطابق نافذ کر رہے ہیں۔ عقدِ سلم کے ضمن میں بھی نظریہ جوائح کا اطلاق ممکن ہے۔ مثلاً، اگر کسی تاجر اور کمپنی کے درمیان ایسا معاہدہ طے پایا ہو کہ تاجر ایک لاکھ روپے کے عوض ایک من گنا فراہم کرے گا، یعنی ہر من گنے کی قیمت ایک ہزار روپے مقرر کی گئی ہو، اور بعد ازاں کوئی ناگہانی آفت یا قحط سالی کی وجہ سے گنے کی قیمت میں بے تحاشا اضافہ ہو کر پانچ سو روپے تک پہنچ جائے، تو ایسے ہنگامی حالات میں اس عقد کا حکم کیا ہو گا؟ کیا تاجر پر اب بھی لازم ہے کہ وہ مقررہ قیمت پر گنا فراہم کرے، یا نظریۂ جوائح کے تحت قیمت میں تبدیلی کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ جمہور علماء کا اجماع یہی ہے کہ اگر کسی ہنگامی حالت کے سبب مسلم الیہ (معاہدہ شدہ چیز) کی فراہمی ممکن نہ رہے، خواہ وہ حالت جنگ ہو یا کوئی قدرتی آفت جس کی وجہ سے شے کا منقطع ہو جانا ہو، تو عقدِ سلم فسخ ہو جائے گا اور مسلم الیہ کو رب السلم (فریقِ دوسرے) مال واپس کرنا ہو گا۔[23]

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنی قرار میں جمہور کے اسی قول کو اختیار کیا ہے:

اذا عجز المسلم اليه عن تسليم المسلم فيه عند حلول الاجل فان المسلم (المشتری) يخير الی ان يوجد المسلم فيه وفسخ العقد واخذ رأس ماله. واذا كان عجزه دن اعسار فنظرة الی ميسرة.[24]

اگر حلول اجل کے وقت مسلم الیہ مسلم فیہ کی حوالگی سے عاجز ہو، تو مشتری کو اختیار حاصل ہو گا چاہے تو مسلم فیہ کی موجودگی تک انتظار کرے اور چاہے تو عقد کو فسخ کرے اور اپنا رأس المال وصول کرے اور اگر تنگدستی کی وجہ سے عاجز ہو تو اسے فراخی مال تک مہلت دی جائے گی۔

عقدِ استصناع بھی فقہائے احناف کے نزدیک ایک مستقل اور معتبر عقد شمار ہوتا ہے، جس کی نوعیت میں اجارہ کے ساتھ خاص مماثلت پائی جاتی ہے۔ بعض احناف تو اسے ابتداہی سے اجارہ ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اجارہ کے ساتھ اس کی تشبیہ کی بنا پر، ادا کیے جانے والے ثمن کو ایک مضبوط اور واضح مدت سے منسلک کیا جا سکتا ہے، تاکہ معاملات میں اختلاف یا تنازعہ کا اندیشہ نہ رہے۔ اس تناظر میں، نقصان کی صورت میں ثمن میں تبدیلی کی گنجائش بھی موجود ہوتی ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنی تصنیف فقہ البیوع میں وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی جائز یا عذر کی بنا پر صانع (مصنوع بنانے والا) مقررہ وقت میں مصنوع تیار کرنے سے قاصر ہو جائے، تو اسے بغیر کسی اضافی بوجھ یا جرمانے کے مناسب مدت کے لیے مہلت دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح، فریقین کے اتفاق رائے سے ثمن کی مقدار میں کمی بیشی بھی ممکن ہے۔[25] اور اگر دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی راضی نہ ہو تو بذریعہ عدالت اس معاملے کا تصفیہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اس تمام تفصیلی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جوائح ہنگامی حالات کے تحت فقہاء جو اصول و ضوابط بیان کیے ہیں وہ اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جو کسی بھی دور میں اپنے تمام تر جزئیات کے ساتھ نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے اصول و

ضوابط جس میں کسی بھی فریق کے ساتھ نہ زیادتی ہو نہ ظلم ہو اور اگر کوئی فریق اپنی غلطی کے بغیر کسی بھی ہنگامی حالت کی وجہ سے اگر نامساعد صورتِ حال میں پھنس گیا ہے اور مبیع کی فراہمی یا ثمن کی ادائیگی پر قادر نہیں رہا تو اسے نقصان سے بچاتے ہوئے اس صورتِ حال سے نکلنے کے لیے ایک ایسا راستہ فراہم کیا جائے جس میں فریقین میں سے کسی کا بھی نقصان نہ ہو۔ ہر فریق ان حالات کے مطابق نقصان سے بچتا ہوا اپنے سرمایہ کو محفوظ بنا سکے۔ شریعت اسلامیہ نے بیوع سے متعلق جو تعلیمات ہیں اس میں دونوں فریقین کے مفاد کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی فریق کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اگر آج بھی ان اصول و ضوابط کو ان کی روح کے مطابق نافذ کر دیا جائے کچھ بعید نہیں کہ مالی معاملات سے دھوکہ دہی کا مکمل طور پر سد باب ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۹م، ج: ۱، ص: ۴۹۲

[2] ابن منظور، جمال الدین، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳م، ج: ۲، ص: ۴۱۰

[3] ابو محمد، عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج: ۴، ص: ۲۲۳

[4] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، دار الوفاء، بروت، ۲۰۰۵م، ج: ۳۰، ص: ۲۷۸

[5] صالح عبد السمیع، جواہر الاکلیل، المکتبۃ الثقافیۃ، بیروت، س ن، ج: ۲، ص: ۶۲

[6] ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد، بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ج: ۲، ص: ۲۲۵

[7] النفراوی، احمد بن غنیم بن مسالم، الفواکۃ الدوانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷م، ج: ۳، ص: ۲۰۴

[8] مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ج: ۴، ص: ۱۵۔۱۸

[9] کاسانی، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج: ۵، ص: ۲۳۸

[10] مجلۃ الاحکام العدلیۃ، ص: ۵۹

[11] ابن عابدین شامی، الرد المختار، دار صادر، بیروت، س ن، ج: ۱۴، ص: ۲۸۹

[12] المناوی، محمد عبد الرؤف، فیض القدیر شرح جامع الصغیر، دار المعرفۃ، بیروت، س ن ج: ۶، ص: ۴۳۱

[13] ابن عابدین شامی، الرد المختار، ج: ۷، ص: ۴۱

[14] ابن عابدین شامی، تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ج: ۲، ص: ۶۲

[15] السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، س ن، ج: ۱۴، ص: ۲۸

[16] الرملی، نہایۃ المحتاج، دار احیاء التراث، بیروت، ج: ۳، ص: ۳۹۹

[17] السرخسی، المبسوط، ج: ۱۴، ص: ۲۸

[18] السیوطی، جلال الدین، الحاوی للفتاوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ج: ۱، ص: ۹۶

[19] ابن قدامہ، المغنی، ج: ۴، ص: ۳۹۶

20 ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ج: ۳۰، ص: ۲۹۳

21 ابن نجیم، البحر الرائق، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج: ۸، ص: ۲۱

22 ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج: ٦، ص: ۲٦

23 محمد بن محمد الشربینی، مغنی المحتاج، دار المعرفۃ، بیروت، س ن، ج: ۳، ص: ۱۱

24 مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ج: ۲، ص: ۱۷۸۲۰

25 تقی عثمانی، مفتی، فقہ البیوع، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۵ء، ج: ۱، ص: ٦۰۷

References

1. Ahmad ibn Faris ibn Zakaria, Mu'jam al-Maqayyid al-Lughah, Dar al-Fikr, Beirut, 1979, vol. 1, p. 492
2. Ibn Manzoor, Jamal al-Din, Lisan al-Arab, Dar Ihya al-Turat al-Arab, Beirut, 1993, vol. 2, p. 410
3. Abu Muhammad, Abdullah ibn Ahmad ibn Qudamah al-Maqdisi, Al-Mughni fi fiqh al-Imam Ahmad ibn Hanbal al-Shaybani, Dar al-Fikr, Beirut, 1405 AH, vol. 4, p. 223
4. Ibn Taymiyyah, Ahmad ibn Abdul Halim, Majmoo' al-Fatawa, Dar al-Wafa, Beirut, 2005, vol. 30, p. 278
5. Salih Abdul Sami, Jawahir al-Aklil, Al-Muktabah al-Thaqafiya, Beirut, 2005, vol. 2, p. 62
6. Ibn Rushd, Muhammad ibn Ahmad ibn Muhammad, Bidayat al-Mujtahid wa Nihayat al-Muqtasad, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, 2005, vol. 2, p. 225
7. Al-Nafrawi, Ahmad bin Ghanem bin Masalim, Al-Fawaqat al-Dawaani, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, 1997, vol. 3, p. 204
8. Malik bin Anas, Al-Madunat al-Kubra, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, 1997, vol. 4, p. 15-18
9. Kasani, Badaa' al-Sana'i, Dar al-Kutb al-Ilmiyah, Beirut, 1997, vol. 5, p. 238
10. Majlat al-Ahkam al-Adliyyah, p. 59
11. Ibn 'Abd al-Shami, Al-Rad al-Mukhtar, Dar Sadir, Beirut, 1997, vol. 14, p. 289
12. Al-Manawi, Muhammad 'Abdul-Rauf, Fayd al-Qadeer, Sharh Jami' al-Sagheer, Dar al-Ma'rifah, Beirut, 1997, vol. 6, p. 431
13. Ibn 'Abd al-Shami, Al-Rad al-Mukhtar, vol. 7, p. 41
14. Ibn 'Abd al-Shami, Tanbiyyah al-Raqood ali Mas'il al-Naqood, vol. 2, p. 62
15. Al-Sarkhasi, Al-Mabsut, Dar Al-Ma'rifah, Beirut, 2011, vol. 14, p. 28
16. Al-Ramli, Nihayat al-Muhtaaj, Dar Ihya' al-Turaht, Beirut, 2011, vol. 3, p. 399
17. Al-Sarkhasi, Al-Mabsut, 2011, vol. 14, p. 28
18. Al-Suyuti, Jalal al-Din, Al-Hawi al-Fatawa, Maktaba Rahmaniyya, Lahore, 2011, vol. 1, p. 96
19. Ibn Qudamah, Al-Mughni, vol. 4, p. 396
20. Ibn Taymiyyah, Majmoo' al-Fatawa, vol. 30, p. 293
21. Ibn Najim, Al-Bahr al-Ra'iq, Dar Ihya' al-Turaht al-Arabi, Beirut, 2011, vol. 8, p. 21
22. Ibn Qudamah, Abdullah ibn Ahmad, Al-Mughni, Dar Ihya' al-Turaht al-Arabi, Beirut, 2011, vol. 6, p. 26
23. Muhammad ibn Muhammad al-Sharbiny, Al-Mughni al-Muhtaaj, Dar Ihya' al-Turaht, Beirut, 2011, vol. 3, p. 11
24. Majlath Majma' al-Fiqh al-Islami, Vol. 2, p. 17820
25. Taqi Usmani, Mufti, Fiqh al-Bayyū, Maktaba Ma'rif al-Quran, Karachi, 2015, Vol. 1, p. 607